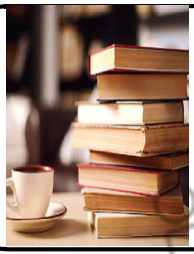

کہانیاں

ضروری ہدایات

(K.B)

☆ کہانی ہمیشہ صیغۂ ماضی میں لکھی جائے۔

☆ کہانی کی تحریر سادہ اور اَدبی ہو اور کہانی کا حُسن بڑھانے کے لئے ضربُ الامَثال اور محاورات کا بَرمَحل استعمال کیا جائے۔

☆ کہانی کو پیراگراف بناتے ہوئے لکھا جائے۔

☆ کہانی کا متن عنوان اور اَخلاقی سبق سے بھرپور مُطابقت رکھتا ہو۔

☆ کہانی میں آنے والے کرداروں کے مکالمے اُن کی حیثیت کے آئینہ دار ہوں اور تمام مکالمے ''واوین'' میں لکھے جائیں۔

☆ مجموعی طور پر عبارت مُنظم، مَربوط اور جامع ہو۔

☆ کہانی کے اختتام پر اخلاقی سبق یا منطقی نتیجہ ضرور لکھیں کیوں کہ اس کا ایک نمبر مُختَص ہے۔

☆ کہانی کم و بیش دو صُفحات تک لکھی جائے۔

☆ جو کہانیاں اُردو قواعد و اِنشا میں ہیں پرچے میں بھی اُنھی کا انتخاب کیا جائے۔

www.ilmkidunya.com

نوٹ: کہانی اور مکالمے میں انتخاب آتا ہے۔

شیر کا گھر

(K.B)

لاہور بورڈ G-II 2014، گوجرانوالہ بورڈ G-II 2014

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیر پور کا گاؤں دریا سے ذرا ہٹ کر آباد تھا۔ گاؤں اور دریا کے درمیان سرسبز کھیت تھے۔ دریا پار ایک جنگل تھا، جس میں جنگل کا بادشاہ شیر رہتا تھا اور اس کے ساتھ اور بھی کئی شیر اپنی اپنی کُچھار میں دھاڑا کرتے تھے۔ دریا کو کشتی کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا کیونکہ دریا پر کوئی پُل نہ تھا۔

شیر پور میں ایک بڑھئی رہتا تھا، جو اپنے کام میں استاد مَانا جاتا تھا۔ ایک دن اسے لکڑی کا پنجرا بنانے کے لیے لکڑی کی ضرورت تھی۔ اس نے علی الصُبح اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور دریا کے پار جنگل میں چلا گیا۔ ایک درخت سے لکڑی کاٹی اور پنجرا بنانے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک شیر آ گیا اور بولا: ''بڑے میاں! کیا بناتے ہو؟'' بڑھئی نے جواب دیا: ''جنگل کے بادشاہ کا گھر بنا رہا ہوں:'' شیر نے کہا: ''اس چھوٹے سے پنجرے میں ہم کیسے سما سکتے ہیں؟'' بڑھئی نے کہا: ''جنگل کے بادشاہ! اس میں داخل ہو کر دیکھ لیجیے'' شیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پنجرے میں داخل ہو گیا۔ بڑھئی نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ اب شیر قید تھا اور پنجرے سے نکلنے کے لیے بے تاب۔ بڑھئی نے بیٹے سے کہا۔ لوٹا لو اور آگ جلا کر پانی کو خوب گرم کرو، لڑکے نے ایسا ہی کیا۔ جب پانی ابلنے لگا تو بڑھئی نے لوٹا اٹھایا اور شیر پر ڈالنے لگا۔

جُوں جُوں اُبلتا ہوا پانی پڑتا شیر تڑپتا جاتا حتیٰ کہ اس کے بدن کی کھال تک جل گئی اور شیر اَدھ موا سا ہو گیا۔ بڑھئی نے یہ دیکھ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ شیر باہر نکلا اور بے تحاشا جنگل کو بھاگ گیا۔ بڑھئی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بَلا ٹلی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جنگل سے تین شیر آتے ہوئے دکھائی دیے۔ بڑھئی اور اس کا بیٹا درخت پر چڑھ گئے۔ شیر درخت کے نیچے آئے انھیں درخت پر چڑھنا نہیں آتا تھا۔ آخر جلا ہوا شیر نیچے کھڑا ہو گیا۔ دوسرا شیر اس کی پیٹھ پر چڑھ کر کھڑا ہوا تیسرا شیر دوسرے کی پیٹھ پر چڑھنے لگا تو بڑھئی نے کہا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ اس نے چِلّا کر کہا: ''لوٹا لاؤ''۔

یہ سننا تھا کہ نیچے والا شیر بھاگا اوپر والے دونوں شیر بھی اوپر نیچے گرے اور بھاگ نکلے۔ جنگل میں جا گُھسے اور پھر ادھر آنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ بڑھئی کی حاضر دماغی نے نہ صرف شیروں کو بھگا دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ انسان جنگل کے بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے۔

نتیجہ: انسان علم و عقل کی وجہ سے ہی اشرف المخلوقات ہے۔

عقل مندی ذریعہ نجات ہے

گیدڑ کی مکاری

(K.B)

لاہور بورڈ G-II 2016، گوجرانوالہ بورڈ G-I 2014، G-I 2016

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل میں ایک بڑے ڈیل ڈول کا ہاتھی رہتا تھا۔ اسی جنگل میں ایک طرف گیدڑوں کا ایک غول بھی رہا کرتا تھا۔ جب ہاتھی اپنی سُونڈ کو ہلاتا، جُھومتا جُھومتا، چلتا پھرتا تو گیدڑ اسے دور ہی سے دیکھ کر للچاتے اور دل ہی دل میں اس کے گوشت کے مزے لیتے، مگر بس نہ چلتا تھا کہ اتنے

www.ilmkidunya.com

بڑے قد آور ہاتھی کے گوشت سے کس طرح لطف اندوز ہوں۔

ایک مدت کی لیچاہٹ کے بعد تمام گیدڑ ایک رات جمع ہوئے اور ہاتھی کو مارنے کی فکر کرنے لگے۔ آخر ایک بوڑھے گیدڑ نے ہانک لگائی کہ تم مردہ ہاتھی کا گوشت کھانے کی سوچ رہے ہو۔ میں تمہیں زندہ ہاتھی کا گوشت کھلاؤں گا۔ سارے گیدڑ خوش ہو گئے اور اسی کو اپنا لیڈر بنالیا۔

رات کا وقت تھا، ہاتھی جنگل میں ٹہل رہا تھا۔ وہی گیدڑ اس کے قریب آیا اور بڑے ادب سے سلام کر کے بولا: ''حضور! ہم سب گیدڑوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں اور آپ کی حکومت میں امن چین کی زندگی بسر کریں''

ہاتھی نے گیدڑ کی بات سنی اور خوش ہو کر بولا: ''ہاں ہاں مجھے منظور ہے۔ چلو سب گیدڑوں کی منظوری لے لیں''۔ غرض ہاتھی گیدڑ کے ساتھ چل پڑا۔ گیدڑ اسے ایک ایسی جگہ لے گیا، جہاں دلدل تھی۔ گیدڑ ہلکا پھلکا جانور چھلانگیں لگاتا ہوا دلدل پر چلنے لگا۔ ہاتھی بادشاہی کے نشے میں دَلدَل میں اترا اور دھنسنے لگا۔ آخر گھٹنوں تک دلدل میں دھنس گیا۔ اب نہ آگے چلنے کا یارا تھا، نہ پیچھے ہٹنے کی طاقت۔

ہاتھی گیدڑ سے چنگھاڑ کر بولا: ''گیدڑ نے کہا! آپ بھاری بھرکم ہیں، میں اکیلا تو آپ کو نہیں نکال سکتا۔ حکم ہو تو اپنی قوم کو بلالوں'' ہاتھی مرتا کیا نہ کرتا، کہنے لگا: ''ہاں! جلد بلاؤ''۔ گیدڑ نے آواز لگائی اور سینکڑوں گیدڑ آن جمع ہوئے اور لگے ہاتھی کا گوشت کاٹنے اور مزے لے لے کر کھانے۔ ہاتھی نے بہتیری سُونڈ ہلائی، چنگھاڑا مگر گیدڑوں نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھی کا گوشت چٹ کر لیا۔

نتیجہ: خوشامد بُری بلا ہے

بندر کی بے وقوفی

(K.B)

لاہور بورڈ G-II 2015، گوجرانوالہ بورڈ G-II 2016

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا، دھوپ شدت کی تھی۔ ہر طرف آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بڑ کا درخت شاخوں اور پتوں کی چھتری تانے کھڑا تھا۔ اس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھئی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ چیرنے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول تھا کہ اس نے کبھی بڑ کی چھاؤں کے سوا کسی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ بڑ کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا اور بڑی توجہ سے بڑھئی کو لکڑی چیرتے دیکھا کرتا تھا۔ اُسے بڑھئی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ بڑھئی چلا جائے اور وہ لکڑی چیرنے کے لیے لٹھ پر بیٹھ جائے اور بڑھئی بن کر لکڑی چیرے۔ بڑھئی اکثر لکڑی چیرتے وقت لکڑی کی درز میں ایک پچر ٹھونک لیا کرتا تھا۔ بندر نے یہ سارا کھیل دیکھا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھئی کسی حاجت کے لیے لٹھ سے اٹھا آری اور پچر دونوں اپنی اپنی جگہ چھوڑے اور خود چلا گیا۔

بندر نے دیکھا، موقع پایا، درخت سے اُترا، لٹھ پر آبیٹھا اور ادھر ادھر دیکھ جھانک کر لکڑی کی درز کے پچر کے ساتھ کھیلنے لگا۔ زور لگاتا اور اسے ہلاتا رہا، ہلتے ہلتے آخر پچر درز سے نکل آئی اور درز بند ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی بندر کا ہاتھ درز میں آ کر پھنس گیا۔ بہتیرا چیخا چلایا، تڑپا مگر ایسا پھنسا کہ نکل نہ سکا۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بڑھئی نے بندر کی چیخیں سنیں تو بھاگا ہوا آیا۔ بندر کو بے حس و حرکت پڑے پایا۔ جلدی سے پچر اٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھونک دی۔ درز کھلی تو بندر پھر بھی نہ ہلا۔ بڑھئی نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ اسے درز کی قید سے نکال کر الگ پھینکا اور غصے سے کہنے لگا: ''جس کا کام اسی کو ساجھے''

بے وقوف تو بندر تھا۔ بڑھئی بننے کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

نتیجہ: جس کا کام اسی کو ساجھے

تو کی خاطر ایثار

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنگل تھا جس کے ایک حصے میں ریچھ رہا کرتے تھے اور دوسرے حصے میں بندر۔ ایک دن ریچھوں کے جی میں آئی کہ کیوں نہ سارے جنگل پر قبضہ کرلیں۔ چنانچہ انھوں نے بندروں پر حملہ کیا۔ انھیں مار مار کر بھگا دیا اور سارے جنگل پر قبضہ کرلیا۔ بندروں سے ان کا وطن چُھٹا، جنگل کے پھل چھُٹے اور وہ حیران و پریشان آوارہ گردی کرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر ایک بندر کا دل بہت کُڑھا۔ اس نے سب کو جمع کیا اور کہا ''میری بات مانو، مجھے زخمی کر دو، جگہ جگہ سے کھال نوچ لو اور جہاں سے ہمیں نکالا گیا ہے، وہیں پھینک دو۔ میں کچھ تدبیر کروں گا اور ریچھوں کی بَلا سے نجات مل جائے گی اور تمھیں اپنا وطن واپس مل جائے گا''۔ بندر ایسے غَمگُسار اور ایثار مند سے یہ سلوک کرنا تو نہ چاہتے تھے مگر آخر مان گئے اور اس بندر کو اَدھ موا کر کے ڈال گئے۔

ریچھوں نے ایک زخمی بندر کو دیکھا اور پوچھا: ''تم یہاں کیسے آئے۔ تمھیں معلوم نہ تھا کہ ہم اس جنگل کے واحد مالک ہیں؟'' زخمی بندر نے آہیں بھرتے ہوئے جواب دیا: ''میں نے اپنے ساتھیوں کو تمھارا غلام بن کر رہنے کو کہا تو انھوں نے میرا یہ حال کر دیا۔ اب وہ ایک ایسے جنگل میں چلے گئے ہیں جہاں ہر طرف ہری بھری گھاس کا فرش بچھا ہوا، چشمے ٹھنڈا پانی اُگل رہے ہیں۔ پھل دار درختوں کے بے شمار جنگل ہیں، جنگل کیا ہے بہشت کا قِطعہ ہے''۔

ریچھ حَریص تو ہوتے ہی ہیں انھوں نے کہا: ''تم ہمیں وہاں لے چلو، ہم تمھارا انتقام بھی لیں گے اور اس جنگل میں چین کی بنسری بھی بجائیں گے، اور تمھارے زخموں کا علاج بھی کریں گے''۔ بندر مان گیا۔ انھوں نے ایک ریچھ پر بندر کو لا دلیا اور سارے ریچھ بندر کی راہنمائی میں چل پڑے۔ رات بھر چلتے رہے، ایک جگہ معمولی کیچڑ تھی اور اس سے آگے گہری دلدل۔ بندر نے کہا: ''اس دَلدَل سے آگے وہ جنگل ہے جسے جنت نظیر کہا جاتا ہے تم بے خطر بڑھو اور میرے پیچھے چلے آؤ''

ریچھ آگے بڑھتے گئے اور دلدل میں دھنستے گئے۔ حتیٰ کہ آخری ریچھ تک دلدل کے پیٹ میں اتر گیا۔ اگلی صُبح کو سارا جنگل سنسان تھا، کسی ریچھ کا پتا نہ تھا۔ بندر خوشی مناتے ہوئے واپس آئے اور سارے جنگل کے مالک بن گئے۔ ایک بندر کا یہ ایثار ساری قوم کا اِقبال بن گیا۔

نتیجہ: ایک فرد کی قربانی سے پوری قوم کا اقبال بلند ہوتا ہے۔
آزادی قربانی مانگتی ہے۔

سچ کی برکت

(K.B)

لاہور بورڈ G-II 2013 ، G-I 2014، G-I-2017 گوجرانوالہ بورڈ G-I 2015

رات کا پچھلا پہر تھا، دن بھر کا تھکا ہارا قافلہ پڑا سو رہا تھا۔ اچانک شور اُٹھا۔ ڈاکو آ گئے' ڈاکو آ گئے'۔ سوئے ہوئے مسافر ہڑبڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ ڈاکوؤں نے لُوٹ مچا رکھی تھی۔ ایک ایک کی تلاشی لے رہے تھے، لوگوں کی جیبیں ٹٹول رہے تھے، جو کچھ پاتے تھے، چھین جھپٹ لیتے تھے۔ لٹنے والے آہ وفُغاں کر رہے تھے، مگر ظالم ڈاکوؤں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

اسی قافلے میں ایک نوعمر لڑکا بھی شامل تھا، جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مطلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ''لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟'' ''چالیس اشرفیاں'' لڑکے نے جواب دیا۔ ڈاکو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گئے۔ دوسرا ڈاکو آیا تو لڑکے نے اسے بھی یہی جواب دیا اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں نے لڑکے سے یہی جواب پایا۔ ڈاکوؤں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ منگوایا اور پوچھا ''لڑکے! تیرے پاس کیا ہے؟''

لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا! چالیس اشرفیاں'' سردار نے پوچھا: ''کہاں ہیں چالیس اشرفیاں؟''۔ لڑکا بولا: ''میرے کُرتے کی تہ میں سِلی ہوئی ہیں۔'' کرتے کی تہ کھولی گئی تو سچ مچ چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا: ''لڑکے! تو نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لی؟''، ''میری ماں

نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا میں جھوٹ بول کر گنہگار کیوں بنتا'' لڑکے نے جواب دیا۔

سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سوچ میں پڑ گیا کہ نوعمر لڑکا ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور میں ایک مدت سے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہوگا؟ سردار نے حکم دیا۔ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا، توبہ کی اور رہزنی کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پیشہ ور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

نتیجہ: سانچ کو آنچ نہیں۔

اتفاق کی برکت

(K.B)

لاہور بورڈ 2013 G-I

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ صمد و ایک غریب کسان تھا۔ اس کے پاس صرف دو بیل تھے، انھیں ہل میں جوتتا اور کنویں میں جوڑتا تھا۔ کام کرتے تھک جاتا تو بیلوں کو تھان پر باندھ کر لمبی تان کر سو جاتا۔ نہ وقت پر پانی پلاتا، نہ پیٹ بھر کر چارا کھلاتا۔ دونوں بیل روز بروز لاغر ہوتے جا رہے تھے، مگر صمد و کو پَروا نہ تھی۔

ایک رات بیلوں نے سوچا کہ یہاں رہے تو سوکھ سوکھ کر مر جائیں گے، بہتر ہے کہ صمد و کو چھوڑیں اور جنگل سے رشتہ جوڑیں۔ چنانچہ انھوں نے دانتوں سے اپنے رسے کاٹے اور چپ چاپ جنگل کی راہ لی۔

جنگل کی آزاد فضا اور گھاس کی کثرت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ اسی طرح دو ایک مہینے گزر گئے اور دونوں بیل دو سانڈ بن گئے۔ ان کے لیے ہر دن عید اور ہر رات شبِ برات تھی۔

ایک دن ایک بھولا بھٹکا شیر اُدھر نکل آیا۔ دو موٹے تازے بیل دیکھے، خوش ہو گیا اور لگا دہاڑنے۔ بیل بھی شیر کو دیکھ کر ڈکارے اور اپنے سینگ لہراتے ہوء مقابلے کو تیار ہو گئے۔ شیر جست لگاتا تو دونوں بیل اسے سینگوں پر لیتے بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر شیر کا سارا جسم زخمی ہو گیا اور بال بال سے خون رِسنے لگا۔ اس نے مقابلہ چھوڑا اور چپ چاپ ایک طرف کو کھسک گیا۔ بیلوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، گھاس سے پیٹ بھرا اور ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر سو گئے۔

اب دونوں بیلوں کی تھکن دور ہو چکی تھی۔ اپنی طاقت پر مَغرور تھے۔ ایک دن شیر سے لڑائی کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک بیل نے کہا: ''میری طاقت نے شیر کو بھگایا، تم تو بس اپنا بچاؤ کرتے رہے۔'' دوسرے نے جواب دیا: ''واہ! یہ میرے ہی سینگوں کی برکت تھی کہ شیر جدھر پینترا بدل کر حملہ کرتا تھا، میرے سینگ ادھر ہی سے اس کے حملے کو رَد کر دیتے تھے۔ تم تو فقط اپنی جان بچاتے تھے''۔

تُو تُو مَیں مَیں سے تلخی اتنی بڑھی کہ دونوں میں اتفاق نہ رہا اور دونوں نے اپنا اپنا الگ راستہ اختیار کر لیا۔ اتنے دنوں میں شیر تندرست ہو چکا تھا اور دور سے ہی بیلوں کو دیکھا کرتا، مگر جب ان میں اتفاق نہ رہا تو شیر کو اپنے وارے نیارے نظر آئے اور ایک بیل کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھ گیا، جونہی بیل چَرتا ہوا قریب آیا تو شیر نے جست لگائی اور ایک ہی پنجے سے گردن توڑ کر رکھ دی۔

اگلے دن اٹھا اور دوسرے بیل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ بیل بھی اسے جلد ہی مل گیا۔ شیر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا بیل بے خبر چر رہا

تھا۔ وہ جونہی جھاڑی کے قریب آیا، شیر انگڑائی لے کر اٹھا اور چھلانگ لگا کر بیل کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ بیل نے بہتیرا جھٹکا، سینگ ہلائے، مگر شیر نے اپنے پنجوں سے اس کی کھال نوچ رکھی تھی اور ایک پنجہ اس زور سے گردن پر مارا کہ گردن ایک طرف لڑھک گئی اور بیل زمین پر گر کر مر گیا۔ شیر نے اس کا گوشت کھایا، لہو پی کر اپنی پیاس بجھائی اور ایک طرف کو نکل گیا۔

نتیجہ: اتفاق میں برکت ہے۔

نِفاق باعث ہلاکت ہے۔

جھوٹ کی سزا

(K.B)

گوجرانوالہ بورڈ 2015 G-II

ایک نوجوان گڈریا جو دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے عادت تھی کہ کبھی کبھی مَستی میں آ کر چلاتا! ''شیر آیا شیر آیا۔'' دوڑو!'' اردگرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے سنتے تو لاٹھیاں، کلھاڑیاں لے کر دوڑ پڑتے، مگر جب گڈریے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شیر، بھیڑیا نہ پا کر گڈریے سے پوچھتے! ''میاں! کہاں ہے شیر؟''

گڈریا ہنس دیتا اور کہتا ہے میں نے تو صرف دل لگی کی تھی، شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے گا تو جان سلامت نہ لے جائے گا۔ چند بار تو لوگ گڈریے کی پکار سن کر پہنچ جاتے رہے، مگر گڈریے کی روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھتے اور کوئی ادھر توجہ نہ دیتا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن سچ مچ کہیں سے شیر آ گیا۔ بھیڑوں کا گلّہ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بڑھ کر ایک بھیڑ کے پنجہ مارا۔ بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور مر کر ڈھیر ہو گئی۔ گڈریے نے شور مچایا، مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔

گڈریا لاٹھی لہراتا ہوا آگے بڑھا تو شیر نے ایک ہی جست میں اس کی گردن بھی مروڑ دی۔ بھڑیں بھاگ رہی تھیں اور شیر ان کا شکار کر رہا تھا آخر سارے کا سارا گلّہ شیر کا شکار بن گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ نہ گڈریا آیا نہ بھیڑوں کا گلّہ۔ گڈریے کے رشتہ داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ چراگاہ پہنچے تو مردہ بھیڑوں اور مَرے ہوئے گڈریے کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ گڈریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی اور بھیڑیں مفت میں جان گنوا چکی تھیں۔

نتیجہ: جھوٹ کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔

عقل مند بیوی

(K.B)

لاہور بورڈ 2016 G-I

دوپہر اور چلچلاتی دھوپ، گرمی شباب پر تھی۔ ایک بڑھیا لاٹھی کے سہارے چلتی ہوئی آئی اور ایک بزاز کی دکان پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے ہانپتی ہوئی بڑھیا کو پانی پلایا اور گاہکوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہو گیا۔

بڑھیا بیٹھی رہی اور گاہکوں کی گفت گو سنتی رہی۔ گاہک چلے گئے تو بزاز نے اپنے نوعمر ملازم سے کہا یہ لو بُرقع گھر میں دے دینا اور کہنا کہ فلاں صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے وہ نکال کر دے دیں گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برقع لیا وار دکان سے نیچے اترا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور چل دی۔ اب ملازم آگے آگے اور بڑھیا پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جونہی دوکان سے ذرا دور ہوئی، اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں باتوں میں بزاز کا گھر دریافت کر لیا۔

اچانک بڑھیا کو کچھ یاد آتا۔ ملازم سے بولی: ''میرے اچھے بیٹے! میں تمھاری دکان پر اپنی نقدی کی پوٹلی بھول آئی ہوں۔ ذرا دوڑ کر جاؤ اور لے آؤ، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برقع مجھے دو اور جلدی آنا۔ میں یہیں کھڑی انتظار کرتی ہوں۔''

ملازم بڑھیا کی باتوں میں ایسا آیا کہ اس نے بُرقع بڑھیا کو دیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت سمجھا اور جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی بزاز کے گھر آ پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا بزاز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: ''بڑی بی! کیا بات ہے؟

بڑھیا نے کہا: ''یہ لو برقع! تمھارے خاوند نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے فلاں صندوق میں سے ایک تھان نکال کر دے دو۔ گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔''

بزاز کی بیوی نے برقع لے لیا اور کہا: ''تو جانے کون ہے؟ میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔''

بڑھیا نے بہتیرا کہا۔ میں دکان سے آ رہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا، اس لیے مجھے ہی آنا پڑا، مگر بزاز کی عورت ٹس سے مَس نہ ہوئی۔ آخر بڑھیا نے کہا: ''تھان نہیں دیتی ہو تو برقع ہی دے دو۔ میں دکان پر دے دوں گی۔''

بزاز کی بیوی نے کہا: ''برقع میرے خاوند نے بھیجا ہے، میں نے لے لیا ہے۔ اب میں تجھے نہ برقع دے سکتی ہوں نہ تھان۔''

بڑھیا نے سوچا کہ یہ فریب میں نہیں آئے گی۔ ملازم پہنچ گیا تو پولیس کے حوالے ہونا پڑے گا۔ چپکے سے بھاگی اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس روز سارے شہر میں ڈُونڈی پِٹ گئی کہ ایک کُٹنی شہر میں گھسی ہوئی ہے۔

نتیجہ: دانائی بہترین حکمت عملی ہے۔

دودھ میں پانی

(K.B)

گوجرانوالہ بورڈ G-II 2013

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک گوالا تھا، جو ایک پہاڑ، کے دامن میں رہتا تھا، وہیں اپنی گائیں بھی رکھتا تھا۔ دن بھر گائیں ادھر ادھر گھاس چرتی رہتیں۔ شام سے ذرا پہلے دودھ دوہتا اور اس میں بہت سا پانی ملا دیتا۔ قریب ہی ایک قصبہ تھا، شام کے اندھیرے میں دودھ لے آتا اور خالص دودھ کی صَدا لگا کر بیچ دیتا۔ ضرورت کی چیزیں خریدتا اور واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔ دودھ کے گاہک اکثر شکایت کرتے کہ دودھ پتلا ہے، اس میں پانی نہ ملایا کرو، مگر گوالا تھا کہ اس کان سنتا، اس کان اُڑا دیتا اور کہتا تو یہی کہتا دودھ خشک تو ہوتا ہی نہیں۔ دودھ میں پانی کی ملاوٹ قدرتی امر ہے، میں پانی ملانے والا کون ہوں۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس بہت سا روپیہ جمع ہو گیا اور اسے اپنی دولت مندی کا احساس ہونے لگا۔ اب وہ تَن کر چلتا اور اینٹھا اینٹھا پھرتا۔ کسی کی شکایت پر کان نہ دھرتا۔ لالچ بڑھتا گیا اور وہ دودھ میں پہلے سے زیادہ پانی ملانے لگا۔

ایک دن یکا یک سیاہ گھٹا اٹھی، بڑھی، پھیلی اور آسمان پر چھا گئی۔ سورج کو اپنی لپیٹ میں لیا اور ہر طرف تاریک شامیانہ تن دیا۔ گوالا بہت خوش ہوا کہ

اب مِینہ برسے گا، گھاس بڑھے گی۔ گائیں کھائیں گی اور زیادہ دودھ دیں گی۔ بس وارے نیارے ہو جائیں گے۔

بادل گرجا، بجلی چمکی، بوندیں ٹپکیں اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، اولے پڑنے لگے اور ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ پہاڑوں سے پانی کا سیلاب اترا اور اس شِدّت سے بڑھا کہ گوالے کی ساری گائیں اور جو کچھ گھر میں جمع تھا، بہا کر لے گیا۔ اب گوالے کے پاس نہ گائیں تھیں، نہ نقدی، پریشان تھا اور گھبراہٹ میں ہر شخص سے کہتا تھا کہ میں نے ایسا سیلاب نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ معلوم نہیں اتنا پانی کہاں سے آ گیا؟ ایک عقل مند نے سنا تو کہا ''یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اسی پانی کو سیلاب بنایا اور تمہیں بے ایمانی اور بد دیانتی کی سزا دی''۔

نتیجہ: لالچ بُری بلا ہے۔

ہرنی کی دعا

(K.B)

لاہور بورڈ 2017-G-II

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شام قریب تھی، سُبکتگین اپنے فرائض سے فارغ ہوا، گھوڑے کو لگام دی اور اچک کر سوار ہو گیا۔ شہر سے نکلا، جنگل کی ٹھنڈی ہوا لگی، دماغ تازہ ہوا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑایا، مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج کو غروب ہوتے پایا۔ فوراً شہر کی طرف باگ موڑی اور آہستہ آہستہ جنگل کو طے کرنے لگا۔

ناگہاں سبکتگین کی نظر ایک ہرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچے کو کھلا رہی تھی۔ شکاری، جب شکار دیکھ لیتا ہے تو صبر اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ سبکتگین نے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ سدھایا ہوا جانور، اپنے مالک کے اشارے پر اچھلا اور ہرنی کی طرف چل پڑا۔ ہرنی نے شکاری کو دیکھا تو بچے کو ساتھ لے کر بھاگی۔ خود تو بھاگ گئی مگر بچہ وہیں رہ گیا۔ یہ ابھی چند دن کا تھا، اس کی ٹانگیں کمزور تھیں۔

سُبکتگین نے سوچا۔ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس بچے کو پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ وہ گھوڑے سے نیچے اترا، بچے کو پکڑا، اس کی ٹانگیں باندھیں اور گھوڑے پر رکھ کر سوار ہو گیا۔ گھوڑا شہر کے قریب آن پہنچا۔ سبکتگین کو ایک سوگوار سی آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ہرنی اپنے بچے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

ماں کی یہ محبت دیکھ کر سبکتگین کا دل پسیجا۔ شاید اسے اپنی ماں سے بچھڑنے کا وقت یاد آ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا، ہرنی کے بچے کی ٹانگیں کھولیں اور اسے زمین پر ڈال دیا۔ بچہ دوڑا اور اپنی ماں سے جا ملا۔ ماں اسے چاٹ رہی تھی، پیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی سبکتگین کی طرف دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھاتی جیسے دعا مانگ رہی ہو۔ سبکتگین نے کچھ دیر یہ نظارہ دیکھا۔ پھر اندھیرے کو ہر طرف سے بڑھتے پایا۔ سورج بھی غائب ہو چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور جلد ہی شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔ رات نے پر پھیلا دیئے۔ سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ دن بھر کا تھکا ہارا سبکتگین بھی اپنے بستر پر نیند کے مزے لے رہا تھا کہ ایک بزرگ آئے سبکتگین کو دیکھا، السلام علیکم کہا اور بتایا کہ سبکتگین ہرنی کی دعا قبول ہو گئی، اب تو اور تیری اولاد ایک مدت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔ بزرگ یہ خوشخبری سنا کر چلا گیا تو سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔ خواب کے واقعے پر غور کیا، مگر کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ اس خواب کو بھول جانا چاہتا تھا، مگر بھول نہ سکا۔ آخر وہ دن آ گیا کہ الپ تگین حاکم غزنی فوت ہوا اور سبکتگین سر پر تاج رکھ کر غزنی کا بادشاہ بن گیا۔

نتیجہ: احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

انصاف

(K.B)

سلطان مراد ترکستان کا بادشاہ اور اسلامی دنیا کا حکمران تھا۔ عیسائیوں کی بڑی بڑی حکومتیں اس کے نام سے لرزہ بَراندام تھیں۔ یوں تو مسلمان حکمرانوں کو عمارتیں بنوانے کا شوق رہا ہے، مگر سلطان مراد مسجدوں کی تعمیر میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے اپنے دل میں ایک مسجد کا نقشہ بنایا۔ یہ مسجد اس کے تخیّل کا حسین مُرقّع تھی۔ اس زمانے میں ایک انجینئر کی بڑی شہرت تھی۔ بادشاہ نے اسے بلایا اپنا نقشہ اسے دکھایا اور مسجد کی تعمیر پر لگا دیا۔

وقت گزرتا رہا۔ دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں مہینے سال بنتے گئے۔ مسجد بنتی رہی اور بنتی گئی۔ لاکھوں اشرفیاں خرچ ہو گئیں۔ آخر مسجد مکمل ہو گئی جو فی الواقع ایک شاندار عبادت گاہ تھی۔

انجینئر نے بڑے دعوے کے ساتھ بادشاہ کے حضور حاضری دی اور عرض کی: ''حضور! مسجد تیار ہے مُلاحظہ فرمائیے۔''

بادشاہ اگلی صبح کو مسجد دیکھنے کے لیے گیا۔ مسجد کو ہر طرف سے دیکھا۔ اوپر سے نیچے، شمال سے، جنوب سے، مگر اتفاق دیکھیے کہ اچھی عمارت اپنے تقاضے کے لیے بادشاہ کی نظرِ استحسان کے لیے مُنتظر ہے، مگر بادشاہ ہے کہ اسے یہ عمارت مطلق پسند نہ آئی۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر جب نہ سنبھل سکا تو حکم دیا کہ انجینئر کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ جلاد نے فوراً ہاتھ کاٹ دیا۔

انجینئر کو یہ سزا بلا وجہ ملی تھی۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ وہ سیدھا قاضی کی عدالت میں جا پہنچا اور دعویٰ دائر کر دیا۔

قاضی نے بادشاہ کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بادشاہ حاضر ہوا تو عدالت میں انجینئر کو کھڑا پایا جس کے ہاتھ سے خون کے سُرخ سرخ قطرے گر رہے تھے۔

بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ قاضی نے بادشاہ کے بیانات لیے اور حکم دیا کہ بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اس کے ہاتھ سے بھی خون گرنا چاہیے تاکہ آئندہ غلط فیصلہ نہ کرے۔

بادشاہ نے قاضی کا فیصلہ سنا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ انجینئر نے دیکھا تو اس کے چیخیں نکل گئیں اور بولا: ''میں نے انصاف پا لیا، میں بادشاہ کو اپنا خون معاف کرتا ہوں اور کسی دباؤ کے بغیر بخشتا ہوں۔''

یہ سُن کر بادشاہ کی جان میں جان آئی۔ اس نے انجینئر کو بہت سا مال وزَر دے کر رخصت کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے قاضی اسلامی احکام کے اعلان میں اس قدر دلیر ہیں کہ بادشاہ کو بھی مجرم قرار دے دیتے ہیں۔

نتیجہ: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

کوّے کا انتقام

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوّوں کا ایک جوڑا کسی جنگل میں ایک درخت پر رہتا تھا۔ جنگل میں ہر طرح کے جان دار رہتے تھے۔ جس درخت پر کوّوں کا گھونسلا تھا اس کی جڑ میں ایک سانپ بھی رہتا تھا۔ وہ سانپ بہت زہریلا تھا اور بہت بڑا بھی۔ اس لیے اکثر و بیشتر دیگر چھوٹے جانداروں کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ تمام چھوٹے جان دار اس سے بہت تنگ تھے کیوں کہ وہ ہر کسی کو اپنی خوراک بنانے کی فکر میں رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی برادری یعنی چھوٹے سانپوں کو بھی معاف نہ کرتا اور انھیں بھی ہڑپ کر جاتا تھا۔

کوّوں کے گھونسلے میں انڈوں سے جب ننھے ننھے بچے نکلے تو وہ بہت خوش تھے۔ نر کوّا اس خوشی میں پُھولے نہیں سما رہا تھا لیکن مادہ کوّا اچانک پریشان ہو گئی۔ نر کوّے نے اس سے اس اچانک پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: ''کیوں نہ ہم یہ درخت چھوڑ دیں اور کسی دوسرے درخت پر اپنا گھونسلا بنا لیں۔''

نرکوّے نے کہا: ''وہ کیوں؟'' مادہ کوّے نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے جواب دیا: ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس درخت کی جڑ میں وہ زہریلا سانپ ہے جو ہر کسی کو اپنی خوراک بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔''

نرکوّے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''تم اطمینان رکھو! ہمارا گھونسلا بہت اونچی شاخ پر ہے۔ سانپ یہاں تک نہیں پہنچ پائے گا۔'' لیکن مادہ کوّا ماں تھی اور اسے تسلی نہیں ہو رہی تھی اور وہ درخت چھوڑنے پر بار بار اصرار کر رہی تھی۔ اُس کے بار بار اصرار پر نرکوّے نے کہا: ''دیکھو! تم پریشان نہ ہو۔ ہم دونوں ایک ہی وقت میں گھونسلا نہیں چھوڑیں گے۔ بچوں کے لیے ایک خوراک کا انتظام کرے گا جب کہ دوسرا ان کی نگرانی کے لیے گھونسلے میں ہی رہے گا۔''

کوّے اسی منصوبے پر عمل کرتے رہے اور دن گزرتے رہے۔ ننھے بچے بھی اب قدرے بڑے ہو گئے تھے اور گھونسلے میں اٹکھیلیاں کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس ہل چل سے سانپ کو بھی ان کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ موقع کے انتظار میں تھا۔

چند دن سکون سے گزرنے کی وجہ سے کوّے بھی اطمینان میں تھے کہ اب ان کے بچوں کو خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے ایک دن وہ بچوں کو تنہا چھوڑ کر دونوں ہی خوراک کی تلاش میں نکل گئے۔ سانپ کو موقع ملا، وہ درخت پر چڑھا اور کوّوں کے بچوں کو ہڑپ کر گیا۔ جب شام کو کوّوں کا جوڑا واپس آیا تو بچوں کو وہاں نہ دیکھ کر بہت دکھی ہوئے۔ وہ سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ اسی سانپ کی ہی حرکت ہے۔ مادہ کوّے نے کہا: ''ہمیں اب تو اپنا ٹھکانا تبدیل کر لینا چاہیے۔'' لیکن نرکوّا انتقام کی آگ میں جل رہا تھا، وہ مادہ کوّے کی یہ تجویز تب بھی نہ مانا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ وہ وہاں سے اُڑا اور اُڑتے اُڑتے شاہی محل کی منڈیر پر جا بیٹھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک جگہ کھونٹی پر ایک قیمتی ہار لٹک رہا تھا۔ اس نے پُھرتی سے وہ ہار چونچ میں دبایا اور محل کے اوپر جا کر بیٹھا تاکہ سپاہیوں کی توجہ حاصل کر سکے۔ سپاہیوں کی جب اس پر نظر پڑی تو انھوں نے ہار کی واپسی کے جتن شروع کیے۔ پیادے دوڑے لیکن کوّے نے بھی اپنے گھونسلے کی طرف اُڑنا شروع کر دیا۔ پیادوں نے ہمت نہ ہاری وہ بھی کوّے کے تعاقب میں بھاگتے رہے۔ کوّا جب درخت کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سانپ اپنے بل سے باہر تھا اور پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ کوّے نے انتہائی ہوشیاری سے وہ ہار سانپ کے پھن میں ڈال دیا اور خود اپنے گھونسلے میں جا چھپا۔ اسی اثنا میں پیادے بھی وہاں پہنچ گئے۔ سانپ کے پاس مہلت ہی نہ تھی کہ وہ ہار کو اپنے پھن سے نکال سکتا اس لیے وہ ڈر کے مارے ہار سمیت اپنے بل میں گھس گیا۔

پیادے، جنھوں نے ہار کے لیے اتنی بھاگ دوڑ کی تھی وہ خالی ہاتھ کیسے واپس جا سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے آن کی آن میں سانپ کا بل کھود ڈالا، سانپ کو مار دیا اور ہار لے کر واپس چلے گئے۔ کوّے نے بھی خوب انتقام لیا۔ بچے تو واپس نہ آ سکتے تھے لیکن اس اِنتقام سے نہ صرف اس کے دل کو سکون ملا بلکہ دوسرے جان داروں کو بھی اس بلا سے نجات مل گئی۔

نتیجہ: اُدلے کا بدلہ۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

نیو نچوڑ

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی قصبے سے باہر ایک مرکزی شاہراہ پر ایک ہوٹل تھا۔ وہ ہوٹل اتنا بڑا تو نہ تھا کہ وہاں رات کے وقت بھی قیام کیا جا سکے البتہ کچھ دیر سُستانے، کھانا کھانے اور چائے پینے کے لیے مسافروں کے لیے ایک اچھی سہولت گاہ تھی۔ دن کے اوقات میں شاہراہ قدرے مصروف گزرگاہ کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے مسافروں کا اس ہوٹل میں تانتا بندھا رہتا تھا۔

عام بات ہے کہ ہجوم والی جگہوں پر نوسر بازوں کی بھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ ہر نوسر باز اپنے اپنے انداز میں سادہ لوح افراد کو ٹھگنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتا ہے۔ اس لیے ہوٹل کے آس پاس مُفت خوروں کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ مُفت خورے طرح طرح کے بہانوں سے سادہ لوح گاہکوں سے اپنی پیٹ پوجا کر لیتے تھے۔ ایک دن ایک مسافر اس ہوٹل میں پہنچا۔ ایک مُفت خورے نے پہچان لیا کہ وہ اس علاقے میں نیا تھا۔ پہلے تو آگے بڑھ کر اس نے سامان

اُٹھوانے میں مدد کی پیش کش کی۔ انکار کے باوجود اس نے مسافر کا مختصر سا سامان زبردستی پکڑتے ہوئے کھانے کی میز تک اس کی راہنمائی کی اور اِدھر اُدھر کی باتوں سے یہ معلوم کرلیا کہ وہ کہاں سے آیا تھا۔ مسافر ہاتھ مُنھ دھونے میں مصروف ہوگیا وہ مُفت خورا کچھ دیر کے لیے دائیں بائیں ہوگیا لیکن نظریں اسی مسافر پر ہی تھیں۔ مسافر ہاتھ مُنھ دھونے کے بعد میز پر آیا اور بیرے کو کھانا لانے کو کہا۔ مفت خورا دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی کچھ دیر کے بعد بیرے نے مسافر کے آگے کھانا لاکر رکھا، مفت خورا وہاں پہنچا اور کہنے لگا: ''ارے بھئی! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں تو آپ ہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔''

مسافر نے کہا: ''وہ کیوں؟ مجھ سے آپ کو کیا کام، میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں۔''

مفت خورے نے ہنستے ہوئے کہا: ''بھئی! ابھی تو آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ اتنا جلدی مجھے بھول گئے۔ خیر، جہاں سے آپ آئے ہیں، وہاں میرے رشتے دار رہتے ہیں، میں نے تو صرف ان کی خیریت دریافت کرنا تھی۔'' اسی اثنا میں باتوں باتوں میں اس نے جیب سے ایک عدد نیبو نکالا اور کہا: ''یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔''

مسافر اس طرح کی زبردستی جان پہچان پر حیران ہوا اور بولا: ''میں آپ کے کسی رشتے دار کو نہیں جانتا ہوں اور سالن میں نیبو مجھے پسند نہیں ہے۔''

مفت خورے نے بلا جواز باتیں شروع کیں اور کہا: ''ارے! سالن کا اصل مزہ تو نیبو میں ہے۔ لاؤ آج آپ کو بھی اس ذائقے سے متعارف کرواتے ہیں۔''

مفت خورے نے جلدی سے نیبو کاٹ کر سالن میں نچوڑ دیا اور چکھنے کی غرض سے ایک لُقمہ اپنے منھ میں ڈال لیا۔ ذائقے کی تعریف کی اور مسافر سے بھی کہا کہ وہ بھی چکھ کر دیکھ لے۔ مسافر نے اپنا کھانا شروع کیا اور مفت خورے نے ذائقے کی تعریف کرتے ہوئے ایک اور لقمہ منھ میں ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ کبھی رشتے داروں اور کبھی کھانے کی باتیں کرتا جارہا تھا اور مسافر کا کھانا کھاتا جارہا تھا کیوں کہ اس کا اصل مقصد تو مفت خوری ہی تھا۔ جب کھانا ختم ہوگیا تو اس نے کہا: ''آپ میرے رشتے داروں کو نہیں جانتے تو کوئی بات نہیں، میں نے بلاوجہ آپ کا اتنا وقت ضائع کیا۔''

مفت خور تو کھانا کھا کر اور ڈکار مار کر چلا گیا لیکن مسافر دل میں اسے لَعن طَعن کررہا تھا کہ کیسا بے شرم اور بے غیرت شخص تھا کہ نیبو نچوڑنے کے بہانے اس کا سارا کھانا ختم کرگیا۔

نتیجہ: مُفت خوری باعثِ ذلت ہے۔

نادان کی دوستی

(K.B)

لاہور بورڈ G-I 2015، گوجرانوالہ بورڈ G-I 2013

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں ایک بہت امیر آدمی رہتا تھا۔ دولت کی کثرت کی وجہ سے دولت مندوں کے شوق بھی نرالے ہوتے ہیں اور وہ طرح طرح سے اپنی اَمارت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اُس امیر آدمی کو جانوروں کا بے حد شوق تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا، واپسی پر چھوٹا بڑا جانور یا پرندہ اُسے پسند آتا، خرید لاتا۔

ایک دن کسی سفر سے واپسی پر وہ بندر کا ایک بچہ خرید لایا اور اس کی دیکھ بھال میں کافی دل چسپی لینے لگا۔ بندر بہترین نَقّال ہوتے ہی ہیں اس لیے جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ بندر اپنے مالک کی تربیت کے مطابق اس کے ہر اشارے کو بخوبی سمجھنے لگا۔ اُس امیر آدمی نے بندر کو دیگر جانوروں سے الگ کرلیا اور ہر سفر پر اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ بندر بھی دورانِ سفر اور گھر میں اپنے مالک کے اشاروں پر اس کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ بندر کو اپنا بہترین دوست سمجھنے لگا۔ لوگ اسے سمجھاتے کہ انسانوں کے بہترین دوست انسان ہی ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس نادان کی دوستی پر اتنا بھروسا نہ کرے۔ لیکن اسے کسی کی پرواہ نہ تھی

اوراپنے ہرسفر پر بندرکو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

ایک دن وہ امیر آدمی اسی بندر کے ساتھ سفر پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک سایہ دار جگہ پر پڑاؤ کیا۔ کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ امیر آدمی نے بندر کو اشارہ کیا کہ وہ اسے پنکھا جُھلتا رہے تا کہ وہ تھوڑی دیر آرام سے سو سکے۔ بندر نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک مکھی جو بار بار آدمی کے چہرے پر آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے آدمی کی نیند میں خَلل پیدا ہونے لگا۔ بندر نے مکھی کو وہاں سے ہٹانے کی کافی کوشش کی لیکن وہ وہیں بھنبھناتی رہی۔ بندر کو غصہ آ گیا۔ اس نے پنکھا ایک طرف رکھا اور آہستہ سے اپنے مالک کا خنجر اٹھا کر مکھی کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر بھنبھنانے کے بعد وہ مکھی آدمی کی ناک پر جا بیٹھی۔ بندر بھی اسی انتظار میں تھا۔ اس لیے اس نے فوراً خنجر سے وار کیا۔ آدمی کی دردناک چیخ اور چہرے پر خون سے اسے سمجھ آیا کہ مکھی کی بجائے اس نے تو اپنے مالک کی ناک کاٹ دی تھی۔ اس کے بعد وہ امیر آدمی جہاں کہیں بھی جاتا لوگ یہی کہتے کہ یہ تو وہی ہے جس نے نادان کی دوستی کی وجہ سے اپنی ناک کٹوائی۔

نتیجہ: نادان کی دوستی ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے۔

ایسے کا تیسا

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی کسی ضروری کام سے شہر گیا۔ پورا دن مصروف گزرا۔ واپسی پر خیال آیا کہ بچوں کے لیے مٹھائی لیتا جائے۔ اس لیے وہ ایک حلوائی کی دکان پر پہنچا۔ وہ حلوائی فطرتاً بے ایمان تھا اور سادہ لوح گاہکوں سے مال بٹورنے کے مختلف طریقے استعمال کرتا رہتا تھا۔ جیسے ہی وہ دیہاتی اس کی دکان میں داخل ہوا حلوائی اس کے حلیے، چال ڈھال اور لباس سے بھانپ گیا کہ اس کو ٹھگا جا سکتا ہے۔ بہرحال دیہاتی نے حلوائی سے مٹھائی کا بھاؤ پوچھا اور دو کلو مٹھائی تولنے کے لیے کہا۔

حلوائی کی مکّاری اس پر غالب آئی اور اس نے پہلے تو دیہاتی کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی اور پھر دِکھاوے کے لیے جدید طرز کے تَرازو پر مٹھائی کا وزن کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ دیہاتی اس کے ترازو کو سمجھنے میں ناکام رہے گا اور اس طرح اسے کم مٹھائی دے کر زیادہ پیسے وصول کر لے گا لیکن وہ اس کی چالاکی کو اچھی طرح سمجھ گیا اور حلوائی سے تول پورا کرنے کے لیے کہا۔ حلوائی بضد تھا کہ اس نے تول پورا کیا ہے۔ جب حلوائی نے دیکھا کہ دیہاتی کسی بھی طرح اس کی باتوں میں نہیں آ رہا ہے تو اس نے مٹھائی کا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: ''بھائی میں نے مٹھائی کا وزن پورا ہی کیا ہے اور اگر آپ کا خیال ہے کہ یہ کم ہے تو آپ کے لیے اچھا ہے کیوں کہ آپ کو دوران سفر زیادہ وزن اٹھانا نہیں پڑے گا۔''

دیہاتی نے بھی ترازو پر کیے گئے وزن کے مطابق اسے پیسے دیے۔ حلوائی نے کم پیسوں کی شکایت کی تو اس نے بَرجستہ جواب دیا: ''بھائی! میں نے پورے گِن کر دیے ہیں۔ اگر کم ہیں تو کوئی بات نہیں آپ کو زیادہ گِننے نہیں پڑیں گے۔''

حلوائی حیران و پریشان اس کا مُنھ دیکھنے لگا جب کہ دیہاتی نے بڑے اطمینان سے اپنا راستہ ناپا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ایسے کو ہمیشہ تیسا ہی ہے۔

نتیجہ: ایسے کو تیسا۔

عادت کی خرابی

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل میں بہت سارے جانور رہتے تھے۔ اکثر جانوروں کی باہمی دوستیاں تھیں اور مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ جنگل میں حشرات الارض اور کچھوؤں مینڈکوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ایک بچھو اور کچھوے میں گہری دوستی تھی۔ کچھوے کو قدرت نے خوبی دی ہے کہ وہ پانی اور

خشکی دونوں پر رہ سکتے ہیں لہٰذا کچھوے کا جب جی چاہتا وہ جنگل کی سیر کرتا اور جی چاہتا تو جنگل کے قریب بہنے والے دریا میں زندگی کے مزے لوٹتا۔ بچھوا اپنے دوست کچھوے کی اس زندگی پر رَشک کرتا تھا۔ ایک دن اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے کچھوے سے کہا: ''یار! ہمیں بھی کسی دن دریا کی سیر کراؤ۔''

کچھوے نے حیرانی سے کہا: ''کیا تم تیرنا جانتے ہو؟''

بچھو نے جواب دیا: ''اگر تیرنا جانتا ہوتا تو تمھیں کیوں کہتا۔''

کچھوا بولا: ''پھر تم دریا کی سیر کیسے کر سکتے ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم دریا کا نظارہ قریب ہی سے کرلو۔''

بچھو نے کہا: ''میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ کیوں نہ تم مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کرلو اور اگر تم پانی کی سطح پر تیرتے رہو گے تو مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس طرح سے ہم دونوں ایک ساتھ دریائی سیر سے لُطف اٹھائیں گے۔''

کچھوے نے بچھو کی بات سے اتفاق کرلیا۔ وہ دونوں دریا کے کنارے پر پہنچے۔ کچھوے نے بچھو کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور پانی میں اُتر گیا۔ بچھو دریا کی سیر سے بہت خوش تھا اور کچھوا اپنے دوست کی خوشی میں خوش تھا۔

دریا میں کچھ دور جانے کے بعد کچھوے نے اچانک اپنی پیٹھ پر کُھٹ کُھٹ کی آواز سنی۔ دراصل بچھو کچھوے کی پیٹھ پر زور زور سے ڈنگ مار رہا تھا۔ کچھوے نے جب دوبارہ وہی آواز سنی تو اس نے بچھو سے پوچھا: ''یہ آواز کیسی ہے؟'' بچھو نے جواب دیا: ''یار! تمھیں تو پتا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کسی شے کو ڈنگ مارنا میری عادت ہے۔ اس لیے تمھاری پیٹھ پر ڈنگ مار رہا ہوں۔'' کچھوے نے اسے سمجھایا اور باز رہنے کے لیے کہا لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ آخر کار تنگ آ کر کچھوے نے پانی میں غوطے لگانا شروع کر دیے۔ بچھو نے کو جب ایک دو غوطے آئے تو اس نے کچھوے سے کہا: ''یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس طرح سے تو میں مر جاؤں گا۔'' کچھوے نے جواب دیا: ''یار! تمھیں تو پتا ہے کہ پانی میں غوطے لگانا میری عادت ہے اور میں اپنی عادت سے باز نہیں رہ سکتا ہوں۔''

اگلے ہی لمحے بچھو پانی میں ڈُبکیاں کھاتے ہوئے دریا کی تہ میں جا پہنچا۔ اس طرح بچھو کو اپنی خرابی عادت کی سزا مل گئی۔

نتیجہ: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

انگور کھٹّے ہیں

(K.B)

اَگلے وَقتوں کی بات ہے کہ کسی جنگل میں ایک لومڑی رہتی تھی۔ لومڑیاں تمام جانوروں میں سب سے زیادہ چالاک اور مَکّار سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن یہ بھی قدرتی امر ہے کہ مکاروں کو اکثر منھ کی کھانا پڑتی ہے۔ اس لومڑی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

ایک دن وہ لومڑی صُبح سویرے ہی کھانے کی تلاش میں نکلی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس دن معمول سے ہٹ کر کچھ کھائے۔ اس لیے وہ کچھ نرالی خوراک کی تلاش میں تھی۔ جنگل میں کافی دیر ادھر ادھر گھومنے پھرنے کے بعد بھی اسے کھانے کو کچھ نہ ملا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کھانے کی تلاش میں رہی۔ آخر کار اسے ایک جگہ انگوروں کی بیل پر انگوروں کے گچھے لٹکتے نظر آئے۔ انگوروں کی وہ بیل ایک بڑے درخت کے سہارے اوپر بڑھ رہی تھی اور درخت کے اوپر پتلی شاخوں پر زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ لومڑی نے انگوروں کے گچھے دیکھے تو منھ میں پانی بھر آیا۔ مَن پسند کھانا جب سامنے ہو تو بھوک اور بھی زیادہ مَحسوس ہونے لگتی ہے۔ یہی حال اس لومڑی کا بھی تھا کہ انگوروں کے گچھے جب سامنے دیکھے تو منھ سے رَال ٹپکنے لگی۔ اس لیے اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا اور انگوروں تک پہنچنے کی

ترکیب سوچنے لگی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے درخت کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ انگوروں کے گچھے چونکہ بلندی پر تھے اس لیے وہ زیادہ اونچائی تک نہ چڑھ سکی اور ایک پتلی شاخ کے ٹوٹنے سے نیچے آ گری۔ اتفاق سے وہ زیادہ بلندی پر سے نہیں گری تھی اس لیے زیادہ چوٹ نہ آئی۔

لومڑی نے اوپر دیکھا تو مختلف پرندے مزے سے انگور کھا رہے تھے۔ اس لیے منہ میں پھر پانی بھر آیا۔ اس نے بلا سوچے سمجھے زور زور سے اُچھلنا شروع کر دیا۔ اسی اچھل کود میں اتفاق سے بیل کی ایک نچلی ڈالی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ بدقسمتی سے اس ڈالی پر ایک بھی انگور کا دانہ نہ تھا۔ وہ دیوانہ وار اُچھلتی رہی اور ہر بار ناکام ہوتی رہی۔ آخر کار اُچھل اُچھل کر جب وہ تھک گئی تو خود سے کہا: ''واہ ری بی لومڑی! تم ایسے ہی اُچھل اُچھل کر ہلکان ہوتی جا رہی ہو، حالاں کہ یہ تو انگور ہی کھٹے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ لومڑی ایک طرف کو چلی گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جب انگور ہاتھ نہ آئیں تو پھر انگور کھٹے ہی ہوتے ہیں۔

نتیجہ: آخ تھو کھٹے ہیں۔

انگور کھٹے ہیں۔

اتفاق میں برکت

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آسمان میں کبوتروں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔ اس غول کے کبوتر ایک عرصے سے ہم پرواز تھے اس لیے ایک دوسرے کے خیر خواہ بھی تھے۔ اس دن وہ کافی دیر سے محوِ پرواز تھے لیکن کہیں بھی انھیں دانہ دُنکا نظر نہ آیا۔ اُڑتے اُڑتے وہ کافی دور تک نکل گئے۔ ایک خالی جگہ پر انھیں زمین پر کافی دانہ دنکا بکھرا ہوا نظر آیا۔ غول کے اکثر کبوتر بہت خوش ہوئے اور جلدی سے نیچے اترنے لگے۔ ایک بوڑھے کبوتر نے انھیں روکا اور بولا: ''زمین پر اس قدر دانہ بلا وجہ نہیں ہے۔ میری مانو، تم یہاں نہ اُترو۔''

غول کا ایک کبوتر آگے بڑھا اور بولا: ''پورا غول کافی دیر سے اُڑان میں ہے۔ بھوک سے سب ہلکان ہیں۔ اگر یہاں نہ اترے تو آگے کی اڑان کیسے ہو پائے گی۔''

بوڑھے کبوتر نے کہا: ''میں پھر کہتا ہوں ایسی جگہ اس قدر دانہ بکھرا ہونا، ہو نہ ہو یہ کسی شکاری کی چال ہے۔ اس لیے تم یہاں نہ اُترو اور آگے اُڑتے رہو۔''

غول کے ایک کبوتر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: ''تم کبوتر اپنی صلاح کرتے رہو، میں تو چلا اپنی بھوک مٹانے۔''

اس کا یہ زمین کی طرف بڑھنا تھا کہ دوسرے کبوتروں نے بھی اس کے پیچھے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اب کی بار وہ بوڑھا کبوتر بھی کسی کو نہ روک سکا کیوں کہ پورے کا پورا غول ہی نیچے اتر چکا تھا۔ سب کبوتر بے حد بھوکے تھے اس لیے دانے پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں اردگرد کی خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو بس دانہ چُگ رہے تھے۔ غول کو تنہا نہ چھوڑتے ہوئے مجبوراً بوڑھا کبوتر بھی کچھ دیر کے بعد نیچے اُتر آیا۔ نیچے اُترتے ہی اس نے زمین اور اردگرد کا جائزہ لیا اور زور سے بولا: ''ہم سب شکاری کے جال میں پھنس چکے ہیں اور وہ دیکھو دور سے شکاری بھی آتا دکھائی دے رہا ہے۔''

غول کے سب کبوتروں نے جب اپنے پنجوں کی طرف دیکھا تو وہ واقعی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ سب کے سب گھبرائے کیوں کہ موت انھیں سامنے دکھائی دے رہی تھی اور انھیں بوڑھے کبوتر کی نصیحت بھی یاد آ رہی تھی لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اسی اثنا میں اسی بوڑھے کبوتر کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے غول کے کبوتروں سے کہا: ''شکاری ابھی کافی دور ہے۔ اگر ہم سب مل کر زور لگائیں تو ہم اس جال کو لے کر یہاں سے اڑ سکتے ہیں۔ یہ جال اتنا وزنی نہیں ہے۔ ایک دفعہ یہاں سے نکلیں، پھر بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔''

کبوتر مرتے کیا نہ کرتے، سب نے مل کر زور لگایا اور اڑنا شروع کیا۔ تھوڑی دقت کے بعد آخر کار وہ جال کو اُڑا لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

شکاری دور سے یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اتفاق میں بہت طاقت اور برکت ہوتی ہے۔

نتیجہ: اِتفاق باعثِ برکت ہے۔

دو بکریاں

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی قدرتی چراہ گاہ میں مختلف اقسام کے جانور رہتے تھے۔ چراہ گاہ کا ماحول نہایت پُر امن تھا اس لیے تمام جانور مکمل آزادی سے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ چراگاہ کے بیچ و بیچ ایک ندی بہتی تھی۔ ندی کے دونوں طرف جانور رہتے تھے۔ اچھے تیراک جانوروں کے لیے تو ندی پار کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن کچھ ایسے جانور بھی تھے جو تیراکی کے ہنر سے بالکل واقف نہ تھے۔ اس لیے وہ ندی کے دوسری طرف کے مناظر اور کھانوں کا صرف گُمان ہی کر سکتے تھے۔ ایک دن ایک بکری کے دل میں خیال آیا کہ اسے بھی ندی کی دوسری جانب جا کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کی چراہ گاہ میں کس طرح کے کھانے ہیں۔ وہ خدا کے بھروسے نکلی اور ندی کے کنارے تک پہنچی۔ ندی کی لہریں نہایت تیز تھیں لیکن بکری کا ارادہ مُصمّم تھا۔ وہ اس پار جانے کا کوئی راستہ ڈھونڈنے کے لیے ندی کے کنارے کنارے چلنے لگی۔ قریب ہی ایک درخت کا تنا ندی کے اوپر آر پار گرا ہوا تھا۔ جو کہ کبھی کسی آندھی یا طوفان سے گرا ہوگا۔ وہ تنا اتنا کم چوڑا تھا کہ ایک وقت میں کوئی ایک ہی اس پر سے گزر سکتا تھا۔

بکری نے اسی تنے پر سے دوسری طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ اور احتیاط سے قدم ٹکاتے ہوئے وہ ندی کے عین وَسط تک پہنچ گئی تو اچانک سامنے سے آتی ہوئی ایک اور بکری پر اس کی نگاہ پڑی۔ دونوں اس قدر محتاط تھیں کہ انھوں نے اپنے قدموں کے سوا اِدھر اُدھر دیکھا ہی نہ تھا لیکن اب دونوں کا اپنے اپنے رُخ گزرنا یا کسی ایک کا پیچھے مُڑنا بالکل ناممکن تھا اور ندی کی لہریں نیچے اتنی تیز کہ کسی کو ٹھہرنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیں اور بہالے جائیں۔ اچانک ایک بکری کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ نہایت احتیاط سے تنے پر بیٹھ گئی۔ دوسری بکری بھی اس کی ترکیب سمجھ گئی اور وہ اس کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف کو ہو گئی۔ پھر بیٹھی ہوئی بکری اٹھی اور چل پڑی اس طرح عقل کے استعمال اور صُلح پسندی سے دونوں بکریاں بحفاظت اپنی اپنی منزل تک پہنچ گئیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ دانائی اور صلح پسندی بہترین حکمت عملی ہے۔

نتیجہ: صلح پسندی بہترین حکمت عملی ہے۔

دانائی بہترین حکمت عملی ہے۔

بے وقوف کچھوا

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جگہ ایک قدرتی تالاب تھا۔ علاقے میں اکثر و بیشتر بارشیں ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے تالاب میں پانی جمع رہتا تھا۔ آس پاس کے جانور اسی تالاب کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتے تھے اور فضاؤں میں اڑنے والے پرندے بھی پانی دیکھ نیچے اترتے، نہاتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ مرغابیوں کا ایک غول بھی اکثر و بیشتر اسی تالاب کے پانی سے لُطف اندوز ہوتا اور اپنی خوراک تلاش کرتا تھا۔ تالاب میں کچھوے بھی رہتے تھے۔ ایک کچھوے کی مرغابیوں سے دوستی ہو گئی۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ مرغابیوں جیسے پرندے اس کے دوست تھے۔ سبھی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے کہ ایک سال بارشیں نہ ہوئیں۔ خشک سالی کی وجہ سے پیڑ پودے مُرجھا گئے اور تالاب خشک ہونے لگے۔ ان حالات میں جانوروں اور پرندوں نے نقل مکانی شروع کر دی اور کچھ مر گئے۔ ایک دن مرغابیوں کا غول اس تالاب پر اترا تو وہ تالاب بھی خشک ہونے کو تھا۔ اس تالاب کے کچھ مینڈک اور کچھوے تو مر گئے تھے اور بیشتر نے حالات کے پیشِ نظر نقل مکانی کر لی تھی۔ وہ کچھوا جس کی مرغابیوں سے دوستی تھی، وہیں تھا۔ ایک مرغابی نے اس سے کہا: ''یہ تالاب تو آئندہ چند روز میں خشک ہو جائے گا اس لیے ہم تمھیں اَلوداع کہتے ہیں۔''

کچھوا بولا: ''کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے ہو؟''

مرغابی نے جواب دیا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تمھارا شمار رینگنے والے جان داروں میں ہوتا ہے جب کہ ہم اُڑنا جانتے ہیں''۔

کچھوے نے لجاجت سے کہا: ''اگر تم مرغابیاں چاہو تو میں بھی اڑ سکتا ہوں۔''

اسی دوران ایک دو اور مرغابیاں بھی ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہوگئی تھیں۔ ایک مرغابی نے حیرانی کہا: ''کچھوے بھلا کیسے اڑ سکتے ہیں؟''

کچھوے نے جواب دیا: ''اگر دو مرغابیاں ایک لکڑی کو دونوں سِروں سے اپنی چونچوں میں دبائیں اور میں لکڑی کو درمیان سے اپنے مُنھ میں دبائے رکھوں تو میں بھی اڑ سکتا ہوں اور اس طرح میں بھی تم سب کے ساتھ کسی دوسرے تالاب تک پہنچ جاؤں گا۔''

مرغابیاں کچھوے کی اس تجویز پر حیران تھیں اور اسے ناممکن کہہ رہی تھیں۔ کچھوے نے اصرار کیا تو دو مرغابیاں آمادہ ہوگئیں۔ کچھوے نے ایک لکڑی کا انتظام کیا۔ مرغابیوں نے لکڑی کو دونوں سِروں سے مضبوطی سے پکڑا اور کچھوے نے درمیان سے لکڑی کو مُنھ میں دبا لیا۔ مرغابیاں اڑیں، ترکیب کامیاب ہوئی اور کچھوا دل ہی دل میں خوش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک آبادی پر سے گزرے۔ لوگ اس انوکھی بات کو دیکھ کر ہنسے۔ کچھوے نے اپنی تعریف کے لیے سوچے سمجھے بغیر مُنھ کھولا اور سیدھا زمین پر جا گرا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی چند شرارتی لڑکے دوڑے اور ڈنڈے مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ کچھوے نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنی جان گنوائی۔

نتیجہ: بے وقوفی کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔

لالچ کی سزا

(K.B)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین دوست اکٹھے ایک سفر پر جانبِ منزل تھے۔ یہ تب کی بات ہے جب سفر کی سہولتیں بالکل نہیں ہُوا کرتی تھیں۔ مسافروں کو پیدل ہی سفر طے کرنا پڑتا تھا اور منزل تک پہنچنے میں کئی کئی دن لگتے تھے۔ وہ تین دوست بھی کچھ دنوں سے سفر میں تھے۔ ایک دن وہ کسی آبادی کے قریب ہی ایک سایہ دار درخت کے نیچے رُکے۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک کی نظر وہاں پڑی ایک تھیلی پر پڑی۔ اس نے وہ تھیلی اٹھائی اور دیکھ کر خوشی سے چلایا: ''واہ! واہ! ہم دولت مند ہوگئے! ہم دولت مند ہوگئے!''

دوسرے نے لپک کر دیکھا اور خوشی سے کہا: ''اتنا زیادہ سونا! یقین نہیں آتا۔''

تیسرے دوست نے دیکھا اور بولا: ''ہمیں یہ تمام اشرفیاں برابر برابر تقسیم کر لینی چاہیں۔ یہ ہم سب کا نصیب ہیں۔''

جس نے سب سے پہلے تھیلی دیکھی تھی، بولا: ''مجھے کچھ اشرفیاں زیادہ ملنی چاہیں کیوں کہ یہ تھیلی سب سے پہلے میں نے دیکھی تھی۔''

دوسرا دوست بولا: ''تم شاید بھول رہے ہو کہ یہاں اس درخت کے نیچے بیٹھنے کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس اعتبار سے تو مجھے زیادہ اشرفیاں ملنی چاہیں۔''

تیسرے دوست نے سمجھاتے ہوئے انداز سے کہا: ''تکرار بے سُود ہے کیوں کہ ہم تینوں دوست ہیں اور ایک ہی منزل کے راہی ہیں اس لیے اس مال کو ہمیں زادِ راہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے اور جو بچے گا اس کی تقسیم کے بارے میں منزل پر پہنچنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔''

اگرچہ اس کی وہ تجویز اچھی تھی لیکن نیت اچھی نہیں تھی۔ اس نے دونوں دوستوں کو اس بات پر قائل کیا کہ اس مال کے ملنے کی خوشی میں انھیں دعوت